# ہم سب ایک ہیں...

**پرویز احمد**
پیلی حویلی، کامٹی ضلع ناگپور

موسم باراں کی ایک خوبصورت شام۔ فضا میں گھلی ہوئی نمی اور سرد ہواؤں کے تھپیڑے خوبصورت زندگی کا احساس پیش کر رہے تھے۔ آج شمیم، عبدل، منی خالہ، کلو، شکیل تمام لوگ ایک ساتھ بیٹھے خوش و خرم نظر آرہے تھے۔ ان کی آپسی گفتگو، ہنسی مذاق اور جانوروں کے باڑے سے بھینسوں، گایوں اور بکریوں کی طرح طرح کی آوازیں ماحول کو خوش کن بنا رہی تھیں۔ لہلہاتے کھیت اور ان سے اٹھتی ہوئی بھینی بھینی خوشبو، پرندوں کی چہچہاہٹ ہر کسی کو مرغوب کر رہی تھی۔

ندی کنارے ایک چھوٹا سا گاؤں جس کے بیشتر مکان کچی مٹی اور پھوس کی چھت سے ایک جیسے، کچھ مکان پکی اینٹوں اور گاؤں کی روایت سے الگ ہٹ کر بنے ہوئے تھے۔ سال بھر ندی ایک چھوٹے راستے کی طرح بہتی اور بارش کے موسم میں ہی اس میں پانی کی فراوانی ہوتی۔ گاؤں کے تمام لوگ اس سے مستفیض ہوتے۔ شام کے وقت گویا ندی پر میلہ سا لگا ہوتا۔ آس پاس کے لوگ بھی کبھی کبھار سیر کے لیے آجاتے اور لطف اندوز ہوتے۔

شمیم نے بھی اپنا مٹی کا مکان کھول دیا تھا اور اس کی جگہ جدید طرز کے مکان کی تعمیر جاری تھی۔ تھوڑے ہی دنوں میں شہروں کی طرز کا مکان تیار ہو گیا۔ بڑا سا صحن، خوبصورت نقش و نگار سے سجا دروازہ، بڑی بڑی کھڑکیاں، ہال اور اس میں بل کھاتی سیڑھیاں جسے گاؤں کے لوگ حیرت و رشک سے دیکھتے۔

شمیم کا بیٹا ساجد اپنی پڑھائی شہر میں مکمل کرنے کے بعد بدیس نوکری کے لیے چلا گیا۔ وہاں سے خاصی رقم ماہانہ شمیم کے پاس آتی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ بڑا آدمی بن گیا حالانکہ گاؤں کے سبھی لوگ اس کے دوست تھے، لیکن اب بات اور لہجے میں فرق تھا۔

کوئی پوچھتا:

جناب کیا حال ہے؟

تو جواب ملتا:

کیا بتاؤں کل رات بیوی نے چکن قورمہ بنایا تھا اور ساتھ میں بریانی اور کھیر بھی، کھانا زیادہ کھا لیا اب پیٹ میں تکلیف ہو گئی طبیعت کچھ عجیب سی ہے۔

کوئی پوچھتا:

بھائی شمیم آج کل کیا چل رہا ہے تم تو نظر ہی نہیں

آتے؟

بس یار تھوڑا مصروف رہتا ہوں۔ ہفتہ میں دو دن بیوی کے ساتھ شہر جانا پڑتا ہے نئے مکان کی شاپنگ کے لیے، کبھی فرنیچر، کبھی کپڑے تو کبھی آرائش کا سامان خریدنے کے لیے۔

فرصت ہی نہیں ملتی کسی سے ملنے کی۔

شکیل کے بیٹے نے گاؤں میں ہی چھوٹی سی کرانہ کی دکان کھول لی تھی۔ اس کی منگنی بچپن میں ہی چچا شمیم کی بیٹی فرح سے ہوگئی تھی۔ شکیل نے بھائی سے بچوں کی شادی کے بارے میں سوال کیا:

''میری بیٹی کو بڑے گھر میں رہنے کی عادت ہوگئی ہے تمہارے دو کمروں کے کچے مکان میں نہیں رہ سکتی۔ اپنے بیٹے سے کہو کہ اس کے لیے دو منزلہ عمارت بنائے تاکہ وہ اس میں رہ سکے۔'' شمیم نے غرور سے کہا:

لیکن بھائی اس نے چھوٹی سی نئی دکان کھولی ہے اور ہماری ابھی اتنی حیثیت نہیں کہ تمہارے جیسا عالی شان مکان بنواسکیں۔

شاید تم ہمیں اپنے قابل نہیں سمجھتے۔ ہاں ایسا ہی سمجھو۔ شکیل دلبرداشتہ اپنے گھر واپس آ گیا۔

گاؤں کے کونے پر ایک اور بڑا سا مکان تھا جس کا مالک کلو سیٹھ تھا۔ جو غریبوں کو قرض دیتا، لیکن وصولی کے لیے بہت تنگ کرتا اور بدلے میں ان کی قیمتی چیزیں ہتھیا لیتا تھا۔ ایک مرتبہ عبدل دودھ والا نے اپنی ماں کے علاج کے لیے پچاس ہزار روپے ادھار مانگ لیے۔ کلو سیٹھ نے پیسے ادھار تو دے دیے، لیکن واپسی کے لیے جلد تقاضا کرنے لگا۔ عبدل روزانہ دودھ بیچتا اور اپنی محنت کی کمائی میں سے ماہانہ ہزار دو ہزار روپے نکال کر قرض کی ادائیگی کرتا تو کلو سیٹھ غصے میں کہتا پیسے قسطوں میں نہیں لوں گا بلکہ پوری رقم ایک ساتھ ادا کرنی ہوگی اور جب عبدل پوری رقم ایک ساتھ ادا نہ کرسکا تو کلو سیٹھ اس کی بھینس کھول کر لے گیا۔ عبدل منت سماجت کرتا رہا۔

بھائی یہ بھینس ہی گزر بسر کا ذریعہ ہے۔ بھینس تم لے جاؤ گے تو ہم بھوکے مرجائیں گے۔

بھوکا مرجا مجھے اس سے کوئی لینا دینا نہیں۔

جس دن پچاس ہزار روپے لاکر دو گے بھینس لے کر جانا۔ عبدل سوائے رونے کے کچھ نہ کرسکا۔

شکیل کے پڑوس میں ہی منی خالہ کا گھر تھا۔ اس کا بیٹا شہر میں ملازمت کرتا تھا اور وہ گاؤں میں اکیلی ہی رہتی اور مہینہ بھر اس کا انتظار کرتی۔ وہ ایک تاریخ ہوتے ہی تنخواہ لے کر ماں سے ملنے آتا اور تنخواہ اس کے حوالے کر دیتا دو دن ساتھ رہنے کے بعد واپس اپنی ملازمت پر چلا جاتا۔

موسم باراں اپنے شباب پر تھا۔ پچھلے برسوں کی بہ نسبت اس بار بارش بہت زیادہ ہو رہی تھی جس کی وجہ سے ندی میں کافی پانی جمع ہوگیا تھا۔ گاؤں کے لوگ بھی بارش سے پریشان نظر آرہے تھے اور اللہ سے

عافیت کی دعائیں مانگ رہے تھے۔مہینہ کی آخری تاریخ آن پڑی تھی اورمنی خالہ اپنے بیٹے کے انتظار میں اس کی پسند کا کھانا بنا کرانتظار کررہی تھی۔

اچانک اعلان کی آواز سنائی دینے لگی۔

بھائیو اور بہنو! ندی میں سیلاب آ گیا ہے اور گاؤں کو سخت خطرہ ہے۔جتنی جلدی ہوسکے گاؤں خالی کر کے محفوظ مقام پر چلے جائیں۔

لوگ گھروں سے نکل کر ٹیلوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔گھر کے ساز وسامان بہہ جانے اور ٹیلے دور ہونے کی وجہ سے جان کے جانے کا خطرہ تھا۔جن کے پاس کوئی بیل گاڑی یا رکشہ گاڑی تھی وہ اپنے کنبہ کو اور دوسروں کو بھی اس پر بٹھا کر محفوظ مقامات کی طرف چل پڑا تھا۔شمیم بھی اپنی بیٹی اور بیوی کے ساتھ باہر نکل آیا تھا۔اس کے قریب سے کوئی بیل گاڑی گزرتی تو وہ ساتھ لے جانے کی التجا کرتا،لیکن کوئی بھی اس کے لیے جگہ نہ بنا سکا۔وقت کی تیز رفتاری اور موسم کی خرابی کی وجہ سے شمیم کو محسوس ہونے لگا کہ سیلاب کا ریلا آئے گا اور اس کے خاندان کو بہا لے جائے گا۔ اچانک ایک چھوٹی بیل گاڑی اس کے پاس رکی،شکیل نے اسے سلام کیا اور گاڑی میں بیٹھ جانے کے لیے کہا۔اس میں پہلے سے شکیل اور اس کے بیوی بچے سوار تھے۔اس نے اپنا سامان نیچے پھینک دیا اور شمیم اور اس کی بیوی و بیٹی کے لیے جگہ بنادی۔شمیم ممنون نگاہوں سے بھائی شکیل کو دیکھتا ہی رہ گیا اور بیوی و بیٹی کو گاڑی میں سوار کردیا۔

ہر طرف افراتفری کا ماحول تھا۔منی خالہ اپنے دروازہ پر کھڑی بیٹے کا انتظار کررہی تھی۔خالہ آجاؤ دیر کیوں کررہی ہو ابھی سیلاب آجائے گا تمھیں بہا کر لے جائے گا۔عبدل نے آواز دی۔مجھے اپنے بیٹے کا انتظار ہے وہ آنے والا ہے مجھے نہ پاکر پریشان ہوجائے گا۔عبدل نے وقت کی نزاکت کو سمجھایا اور ڈھارس بندھائی کہ وہ آئے گا تو ٹیلے کی طرف ہی آئے گا۔منی خالہ نے بیٹے کے لیے بنے ہوئے کھانے کو ایک رومال میں باندھ لیا اور رکشہ گاڑی میں اس کی ماں کے ساتھ چل پڑی۔عبدل پیدل ہی چل پڑا۔

’’بچاؤ بچاؤ!‘‘ عبدل کو پیچھے سے ایک کمزور سی آواز سنائی دی۔اس نے مڑ کر دیکھا۔کلو سیٹھ لڑکھڑا کر چل رہا تھا۔بیمار سا نظر آرہا تھا کیچڑ کی وجہ سے وہ پانی میں گر گیا۔عبدل نے دوڑ کر اسے پکڑ لیا اور سہارا دے کر اٹھایا اور اپنے کندھے کے سہارے اسے لے کر چلنے لگا۔

’’بھائی سخت بخار کی وجہ سے مجھ سے چلا نہیں جارہا ہے۔‘‘ کچھ دور جانے کے بعد کلو سیٹھ نے کہا۔کلو سیٹھ دبلا پتلا آدمی تھا عبدل نے اسے گود میں اٹھا لیا گو کہ اسے اٹھا کر چلنا آسان نہیں تھا،لیکن عبدل نے ہمت سے کام لیا اور ٹیلہ کی طرف چل پڑا۔

گاؤں کے سب لوگ ٹیلے پر پہنچ چکے تھے۔اب کوئی چھوٹا بڑا،امیر یا غریب نہیں تھا۔بھوکے پیاسے

روٹی کے لیے مجبور سب کا ایک جیسا حال تھا۔سونے کے لیے بستر تھا نہ سر پر کوئی چھت۔اللہ کے سوا ان کا کوئی سہارا نہ تھا زبان و دل پر صرف اللہ کا نام تھا۔شہر سے امدادی تنظیم کی ایک گاڑی آئی اور گاؤں کے لوگوں کو کھانا اور پانی کی بوتلیں دے کر چلی گئی۔سب مل بانٹ کر کھا رہے تھے۔منی خالہ کافی دیر سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی کہ شاید اس کا بیٹا آجائے۔اس نے بھی رومال کھول کر کھانا نکالا اور سب کے سامنے رکھ دیا۔کلو سیٹھ بخار کی وجہ سے ٹوٹ سا گیا تھا اور زمین پر پڑا تکلیف سے کراہ رہا تھا۔عبدل آگے بڑھا پانی میں رومال بھگویا اور اس کے ماتھے پر لگاتا رہا، بخار کچھ کم ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔عبدل باری باری اس کے پیر اور پیٹھ بھی دباتا و سہلاتا رہا تاکہ کچھ راحت مل سکے۔کلو سیٹھ تشکر بھری نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

بارش تھم چکی تھی۔گاؤں سیلاب کی زد میں تھا ہر طرف پانی ہی پانی نظر آرہا تھا۔فصلیں ڈوب چکی تھیں۔خدا خدا کر کے اب پانی اترنے لگا۔لوگ اپنے اپنے گھروں کو لوٹنے لگے۔گھروں کے کافی حصے ٹوٹ چکے تھے۔شمیم کے مکان کی دیواروں میں دراڑیں پڑ چکی تھیں۔صحن کی دیوار گر گئی تھی۔فرنیچر کیچڑ و پانی سے خراب ہو گئے تھے۔منی خالہ کا بیٹا بھی شہر سے آچکا تھا۔وہ سب کو جمع کر کے بولا: ''ہماری اکیلے کی کوئی زندگی نہیں ہے۔ہم ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے تو اللہ بھی ہمارا ساتھ دے گا۔ہم اپنے گھر دوبارہ بنالیں گے، ہم اپنی زندگی نئے سرے سے شروع کریں گے، ہماری بستی پھر سے آباد ہوگی۔'' سب لوگوں نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔اپنے گھر تعمیر کرنے لگے۔

شکیل نے بھی پہلے کی طرح مٹی سے اپنا مکان بنانا شروع کیا۔شمیم نے کہا ''بھائی میرے صحن کی اینٹیں لے جاؤ اور اپنے مکان کی دیواروں میں لگاؤ پہلے تمہارا گھر بننا چاہیے۔آخر میری بیٹی اسی گھر میں بہو بن کر آنی ہے''۔شکیل نے شمیم کو گلے لگا لیا۔ادھر عبدل بھی اپنا مکان بنانے میں مصروف تھا۔کلو سیٹھ اپنے ایک ساتھی کے ساتھ آگیا اس کے ساتھ عبدل کی بھینس بھی تھی۔''یہ رسی تڑا کر نہ جانے کہاں بھاگ گئی تھی، بڑی مشکل سے ڈھونڈ کر لایا ہوں، یہ لو اپنی بھینس''۔آتے ہی بول پڑا۔

مگر وہ تمہارا قرض؟ عبدل نے سوالیہ لہجہ میں پوچھا۔

وہ تو اتر ہی جائے گا، تھوڑا تھوڑا کر کے۔اکٹھا پیسے دینے کی ضرورت نہیں۔کلو سیٹھ نے پیار سے عبدل کی پیٹھ تھپ تھپا کر کہا۔خوشی سے عبدل کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

اگلی شام کلو سیٹھ نے تمام لوگوں کی دعوت کا انتظام کیا اور سب لوگ وہاں جمع ہو گئے۔بستی پھر سے آباد ہو گئی۔لوگوں کے دل پہلے سے زیادہ مضبوطی سے جڑ گئے۔

OO